عبدالرحمٰن کی موت[۱]

پہاڑی اور پہاڑی غاروں میں پتھر کے ٹکڑوں اور سنگریزوں کی تعداد حد شمار سے خارج رہتی ہوتی ہے جنھیں انسان اور جانور ہر وقت پامال کرتے رہتے ہیں. لیکن ان ہی میں کوئی سنگریزہ لعل یا قوت بن کر نکل آتا ہے جس کی قیمت پوری ایک سلطنت کی آمدنی کے برابر ہوتی ہے اس کو اگر کوئی توڑ ڈالے تو دل پر کیا گزر جائے گی؟ سمندر میں بارش کے بے شمار قطرے ہر سال گرتے رہتے ہیں جو کسی حساب میں نہیں آتے لیکن انھیں میں چند قطرے وہ بھی ہوتے ہیں جو آغوشِ صدف میں پل کر موتی بن کر نکلتے ہیں اور تاجِ سلطانی کا زیور بنتے ہیں ان کو اگر کوئی سمندر میں پھینک دے تو دل کو کیوں کر صبر آئے گا. جنگل میں خود رو بیل اور پتے درخت اور پودے، بوٹیاں اور پتیاں ہزاروں قسم کی ہوتی ہیں جو جانوروں کی غذا کا کام دیتی ہیں لیکن گلاب کی تازہ و شاداب کلی بزمِ ہستی کو معطر کرنے کے لئے ہوتی ہے یہ کلی اگر پھول بننے کے ساتھ ہی خزاں کی دست برد کی نذر ہو جائے تو دل کو کیا کہہ کر سمجھایا... اور قابو میں رکھا جا سکتا ہے؟

ایک چراغ جلا. لیکن قبل اس کے کہ اس کا اجالا پوری طرح پھیلے، بجھ گیا، ایک آفتاب چمکا، لیکن پیشتر اس کے کہ اس کی شعاعیں پورا نور پھیلائیں غروب ہو گیا. ایک پھول کھلا مگر معاً مرجھا گیا. سبزہ لہلہایا مگر فوراً خشک ہو کر زمین کے برابر ہو گیا. حق کی

---

[۱] سچ ۱۹ مارچ ۱۹۲۶ء

پکار بلند ہوئی لیکن معاً فضائے لامتناہی میں گم ہو گئی۔ عبدالرحمٰن نگرامی نے ۲۰۔۸۔۲ سال ہوئے ناسوت کے ظلمتکدہ میں اپنی آنکھیں کھولیں لیکن یہاں کی فضا کو شاید اپنے غیر موافق پاکر ۶ مارچ ۱۹۲۶ء ۱۲ شعبان ۱۳۴۲ھ کو صبح کے وقت تعین اطلاق میں محدود و غیر محدود میں مقید مطلق میں قالب بے قالبی میں جسد عالم جان میں جذب و گم ہو گیا سچ کہا ہے سچ کہنے والے نے کہ ہم سب اسی کے ہیں اور سب اسی کی طرف جانے والے ہیں۔

صورت از بے صورتی آمد برون
باز شد انا الیہ راجعون

آنکھیں اشکبار کہ عالم انسانیت کے اس جوہر آبدار کو اب کہاں تلاش کریں قلب مضطرب کہ کائنات آب و گل کے اس گوہر بے بہا کے بغیر کیوں کر آرام پائے عقل حیران کہ گلشن بشری کے اس گل رعنا کو کہاں سے ڈھونڈھ نکالا جائے۔ لیکن غیب کا فرشتہ آواز دیتا ہے کہ اس قید خانۂ عنصری میں صرف اسی وقت تک کے لئے روحوں کو مقید رکھا جاتا ہے جب تک کہ وہ اپنی تربیت تمام حاصل کر لیں۔ عالم معنی میں زمانہ کا شمار انسان کی بنائی ہوئی جنتری اور آفتاب کی گردش سے نہیں ہوتا بلکہ روح کے لئے واپسی کا "وقت مقررہ" وہی ہے جب وہ اپنی تربیت کی تکمیل کرے۔ پس اگر اس پاک وصف و پاکیزہ سرشت ہستی نے جس کا ناسوتی نام عبدالرحمٰن تھا اتنی کمسنی میں تکمیل روح کے سارے مدارج طے کر لئے تھے تو ٹھیک اسی "وقت مقررہ" پر اس کا اپنی اصل کی طرف رجوع کرنا لازمی تھا جس پر حیرت کرنی بیجا اور تاسف کرنا بے محل ہے۔

دنیا کی ظاہر بین نگاہیں اس مرنے والے کے خط و خال سے زیادہ مانوس نہ تھیں آج اگر اس مرحوم کے فضائل و کمالات کو پھیلا کر بیان کیا جائے تو یقیناً بہتوں کو مبالغہ کا شک گزرے گا لیکن جن لوگوں کو خوش نصیبی سے ان سے ذاتی نیاز حاصل تھا وہی بدنصیب اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایک ذات کے اٹھ جانے سے امت اسلامیہ کا

لکھو بیٹھے۔ میں مرحوم کو اس زمانہ سے جانتا ہوں جب وہ دارالعلوم ندوہ کی شاید کسی نیچی جماعت میں پڑھتے تھے۔ اور ان کی عمر ۱۵-۱۶ سے زائد نہ تھی۔ تقریر کا شوق انھیں اسی وقت سے تھا اور قیصر باغ لکھنؤ میں جب پہلی بار میں نے ان کی تقریر سنی اتنی بلند وبرتر تھی کہ قدرۃً یہ بدگمانی پیدا ہوئی کہ کسی نے یہ تقریر قلمبند کر کے پیشتر سے حفظ کرا دی ہے ورنہ اتنا کم سن طالب علم ایسی برجستہ تقریر کر نہیں سکتا۔ مگر جوں جوں سابقہ بڑھتا گیا یہ بدگمانی دور ہوتی گئی اور اس آئینہ کے اصل جوہر کھلتے گئے۔

ندوہ میں تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ایک زمانہ تک سرائے میر ضلع اعظم گڑھ میں مدرسۃ الاصلاح میں اتالیقی کے فرائض انجام دیئے۔ مولوی امین احسن اصلاحی جن کے مضامین "سچ" کی پہلی جلد میں بہ کثرت شائع ہو چکے ہیں (اسی دور کے شاگرد ہیں) مدرسۃ الاصلاح اپنے رنگ کی سارے ملک میں بہترین تربیت گاہ ہے سادہ ترین معاشرت کے ساتھ اعلا ترین علم اخلاق سے مسلمانوں کے بچوں کو آراستہ کرنا اس کا مقصد ہے۔ جناب مولانا حمید الدین صاحب مدظلہ العالی صاحب تفسیر قرآن نظم القرآن اس کے سرپرست و نگراں اعلیٰ ہیں اور مرحوم ان کے بہترین رفیق و مددگار تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں خصوصاً یتیم اور بے والی و وارث بچوں کو جس شفقت و محبت کے ساتھ مرحوم تربیت دیتے تھے اس کا نمونہ میری نظروں سے کم گزرا ہے۔

غالباً ۱۹۲۰ء میں مولانا ابوالکلام کی طلب پر مرحوم کلکتہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں اس اسلامی دارالعلوم میں جو سرکاری امداد سے بے نیاز رہ کر کھولا گیا تھا صدر مدرس مقرر ہو گئے۔ اس کم عمری میں اتنی بڑی ذمہ داری کے عہدہ پر انتخاب ہو جانا اور پھر اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دینا۔ مرحوم کی ایک مخصوص فضیلت تھی۔ یہ زمانہ تحریک خلافت و ترک موالات کے شباب کا تھا۔ اور مرحوم نے علاوہ اپنے مشاغل تعلیم و تدریس کے ان اجتماعی و قومی تحریکات میں پوری قوت جوش و سرگرمی کے ساتھ

حصہ لیا، بکثرت تقریریں کیں، اور متعدد مضامین مسائل حاضرہ پر سپرد قلم فرمائے۔
۱۹۲۱ء کی آخری سہ ماہی میں مولانا ابوالکلام آزاد کی سرپرستی اور مولانا عبدالرزاق ندوی
کی ایڈیٹری میں پیغام نام سے ایک ہفتہ وار کلکتہ سے نکلا۔ مرحوم نے اس کے اوراق
پر بابۂ ملکی آزادی کے مسئلہ کو شریعت و قرآن پاک کی روشنی میں پیش کیا۔

غالباً شروع ۱۹۲۲ء میں لکھنؤ

مستقل طور پر آگئے اور دارالعلوم ندوہ نے اپنے یہاں ادب کی خدمت پر انھیں مامور
کیا۔ قرآن کا ذوق فطرت میں داخل ہو چکا تھا۔ ہر شاگرد کے ساتھ عزیزوں سے بڑھ
کر شفقت تھی۔ متعدد شاگردوں کو ذرہ سے آفتاب بنا دیا۔ دارالعلوم ندوہ کی جو
اصلی روح تھی۔ اسے از سر نو زندہ کر دیا اور بہت سے سینوں میں قرآن کی خدمت اور
اسلام کی محبت کا سوز پیدا کر دیا۔ لکھنؤ اور جوار لکھنؤ کی ہر اصلاحی تحریک میں خلوص قلب
کے ساتھ حصہ لیتے رہے، تبلیغ، تنظیم، خلافت، ندوہ، کانگریس اور ہر تحریک میں جو جماعت
اسلامیہ کے لئے مفید معلوم ہوئی۔ بہ قدر استطاعت پوری سرگرمی کے ساتھ شرکت فرمائی
لکھنؤ میں ۱۹۲۴ء کے ہندو مسلم فسادات کے موقع پر اور ۲۵ء میں فتنہ شیعیہ کے
وقت خطرہ میں پڑ کر انتہائی حق پرستی کا عملی ثبوت دیا۔ ۲۵ء میں جون پور کے
ہندو مسلمانوں میں صلح کرائی۔ مارچ ۲۵ء میں لکھنؤ کے اور نومبر ۲۵ء میں انبالہ
کے اجلاس ندوہ میں مقاصد ندوہ پر جو اعلا تقریریں ارشاد کیں وہ گویا اس وقت بھی
کانوں میں گونج رہی ہیں۔ انبالہ والی تقریر غالباً زندگی کی سب سے آخری تقریر تھی
علالت اس وقت شروع ہو چکی تھی تقریر بہت دیر جاری نہ رکھ سکے تھے۔ اکتوبر ۲۵ء
میں رفاہِ عام لکھنؤ میں توفیق شریف کی عربی تقریر کا جس برجستگی و شستگی کے ساتھ اردو
ترجمہ کیا اس نے مخالفین تک کو داد دینے پر مجبور کر دیا تھا۔

چند شوریدہ سروں کو اصلاحی پرچہ نکالنے کی ضرورت عرصہ سے محسوس ہو رہی تھی۔

۱۹۲۴ء کی آخری سہ ماہی میں مولوی ظفر الملک صاحب کی مستعدی سے یہ دشواری ایک
حد تک حل ہوگئی۔ ۱۲ نومبر ۱۹۲۴ء کو دفتر سچ میں چار شخصوں کی ایک مختصر مجلس میں تمام
ابتدائی مراتب طے پا گئے اس مختصر مجلس کے ایک اہم رکن خود مولوی عبدالرحمن تھے۔ عام
معاصرین سے ہمدردی واتفاق رکھنے والے متعدد احباب تھے لیکن یہ اسی وقت نظر آگیا
تھا کہ اکثر عقائد وخیالات کے جزئیات تک میں جو موافقت عبدالرحمن کو عبدالماجد کے
ساتھ ہے وہ شاید کسی دوسرے عنایت فرما کو حاصل نہیں۔ اور شرکت تحریر میں جو سہولت
مرحوم کے ساتھ حاصل ہو سکتی تھی اس کی توقع کسی اور سے نہیں۔ بعد کے تجربہ نے اس
توقع کو حرف بحرف ثابت کر دیا ایک سال سے کچھ اوپر کے طویل سابقہ میں مرحوم کے
طرز تحریر سے صرف ایک بار (جلد اول نمبر ۵ میں ایک مضمون کے عنوان اور اس کے بعض الفاظ
سے متعلق) مجھے اختلاف ہوا اور جب میں نے اپنی اس رائے کو ان پر ظاہر کیا تو اس
بے نفسی کے ساتھ جو ان کے بعد میرے لئے اب خواب وخیال ہے انھوں نے بلا تامل و
توقف میری گزارش کو تسلیم فرما لیا۔ سچ میں اپنے مضامین کے ذریعہ سے اسلام وامت
اسلامیہ کی جو خدمت وہ انجام دیتے رہے اس کی پوری روئداد ناظرین کے سامنے ہے
پچھلے چند ماہ سے پیر دل کے درد میں مبتلا رہنے لگے تھے جسے ہم لوگ وجع مفاصل
کے قسم کا کوئی مرض سمجھتے رہے اور چونکہ خود مریض نے اپنے صبر ومتانت کی بنا پر کبھی
مرض کی شدت نہیں بیان کی اسی لئے قدرۃً اسے معمولی اور غیر اہم سمجھا کئے۔ علاج کا سلسلہ
جاری رہا لکھنؤ اور نگرام (ضلع لکھنؤ) میں متعدد اطباء کے علاج کے بعد بہرائچ ایک عزیز ۱
کے یہاں علاج وتبدیل آب وہوا دونوں غرض سے تشریف لے گئے مسہل ہوئے افاقہ محسوس
ہوا۔ چنانچہ ان کے آخری مکتوب میں انھیں کے قلم سے افاقہ کی خبر پڑھ کر سچ (نمبر ۱) میں
میں نے ان کے متعلق کسی قدر اطمینان بخش نوٹ دیدیا تھا۔ اور ناظرین سے ان کی صحت
کے لئے دعا چاہی تھی۔ عین اسی روز جب کہ وہ نوٹ طبع ہوا اسی صبح کو نماز فجر کے لوازم

بعد خاک کا پتلا مرض و صحت کی کشمکش سے ہمیشہ کے لئے نجات پاکر رفیق اعلیٰ سے جاملا اور اپنے تمام دینی بھائیوں پر بجائے دعاء صحت کے دعاء مغفرت کا حق قائم کر گیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وانا الیہ راجعون۔

دوستوں شاگردوں اور معتقدوں کی جماعت کثیر سے قطع نظر کر کے اپنے خاص عزیزوں میں مرحوم نے ایک نوجوان بیوہ ایک خورد سال بچی اور ایک دل شکستہ ماں کو چھوڑا ہے۔ ماں کی سرگذشت خصوصیت کے ساتھ دردناک ہے۔ کم سنی میں بیوہ ہوئیں بجز خورد سال عبدالرحمان کے کوئی اولاد نہ تھی ساری بہو گی اسی نونہال کے پروان چڑھانے میں بسر کردی۔ یہاں تک کہ آدمی زندگی کا بڑا سہارا بھی دغا دے گیا۔ ایمان والوں اور ایمان والیوں کے لئے بدنصیبی نہیں انتہائی خوش نصیبی ہے۔ سارے سہارے مٹ کر صرف ایک ہی سہارا باقی رہ جائے اور سب سے رشتہ ٹوٹ کر صرف ایک ہی سے رشتہ جڑا رہ جائے۔

حسن عمل اب بھی مسلمانوں سے بالکل رخصت نہیں ہو گیا ہے۔ سرزمین ہند کے گوشوں اور زاویوں میں ابھی بعض بڑے بڑے زاہدانِ شب بیدار موجود ہیں۔ قومی کام کرنے والوں ہی کی جماعت میں بھی ابھی چند نہایت اور مخلص اور پختہ ایمان جوان مرد زندہ ہیں۔ لیکن اگر میری دیانت سے یہ سوال کیا جائے کہ اب تک سب سے زیادہ معصومانہ زندگی لغزشوں اور آلائشوں سے پاک زندگی بچوں کی طرح پاک، اور بے رنگ زندگی کسی کی دیکھی ہے تو اپنی واقفیت و تجربہ کے دائرہ میں بلا تامل صرف مرحوم عبدالرحمٰن کا نام پیش کر سکتا ہوں۔ نوجوانی کے باوجود اس قدر صالح و پاکباز رہنا قومی و اجتماعی زندگی میں پوری طرح پڑ کر بھی اسقدر محتاط و بے لوث رہنا محض عطائے الٰہی و لطف خداوندی کا حیرت انگیز کرشمہ تھا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

وہ صحیح معنوں میں مسلم مومن تھے۔ اسلام کی حقیقت ان کے دل کی گہرائی میں اتری ہوئی تھی اور یہی وجہ تھی۔ کہ ان کی صحبت ان کی تقریروں سے بھی زیادہ موثر ہوتی

تھی۔ اللہ پاک پر ہر وقت بھروسہ رہتا تھا۔ ذات مبارک نبوی کے ساتھ دلی شیفتگی تھی۔
جستجو و طلب، صحابہ کرام کے دین فطرت کی تھی۔ متاخرین کے زوائد اور رنگ آمیزیوں سے
دلچسپی نہ تھی۔ ملکی و سیاسی آزادی کے لئے بے چین رہتے تھے اس لئے کہ ان کی بصیرت کو
قرآن کریم سے اس کے احکام ملتے تھے۔ دینی خدمت کی ہر صنف اور ہر صورت کے لئے
ان کی زندگی وقف تھی تقریر و تحریر کے علاوہ اگر کوئی موقع جہاد بالسیف کا آجاتا تو
اس میں بھی ان کا قدم کسی سے پیچھے نہ رہتا جزئیات عقائد میں انفرادی خاص مسلک
تھا بجائے کسی خاص فرقہ کی جانب زیادہ جھک جانے کے اپنا انتساب محمد رسول اللہ
کے لائے اسلام ہی کی جانب پسند فرماتے تھے۔ شان رحماء بینہم کو پوری طرح نباہا عقائد
و خیالات میں اپنے بڑے سے بڑے مخالف کے لئے ہی ہمیشہ نرم سے نرم تاویل پسند فرماتی
ذاتی دشمن ہر شخص کے ہوتے ہیں میرے تجربے میں ان کی شخصیت اس کلیہ سے مستثنیٰ تھی۔
میں نے ان کا کوئی دشمن نہیں دیکھا۔

وہ صحیح معنی میں درویش تھے گو کبھی اپنی درویشی کی نمائش نہیں کی۔ صبر و ضبط
فطرت ثانیہ بن گئے تھے ماسوائے اتنی بے تعلقی و بے نیازی زندگی کا جز تھی۔ بڑی سی بڑی
ترغیب نے بھی کبھی پائے ثبات میں لغزش نہیں پیدا کی۔ بار ہا بڑے بڑے کٹھن وقت
پڑے اس کا پتہ خاص خاص دوستوں تک کو نہ چلنے دیا۔ کلکتہ کے زمانہ قیام میں ایک
مدت تک معاش کی یہ عسرت رہی کو یا نیم فاقہ کشی تھی۔ یہ سا زمانہ ہنسی خوشی گزار دیا۔
لب کبھی حرف شکایت سے آشنا نہ ہوئے۔

سنہ ۱۹۲۴ء میں ایک سرکاری یونیورسٹی کی طرف سے علوم اسلامیہ کی پروفیسری
کے لئے تحریک ہوئی مشاہرہ جسقدر ندوہ میں پا رہے تھے اس سے بقدر چھ گنے سے
زائد تھا۔ شہرت و ناموری وغیرہ اس پر مستزاد۔ اللہ کے اس نیک بندے نے نہ صرف
اس دعوت کو مسکرا کر ٹالدیا بلکہ اپنے خاص رفیقوں اور دوستوں سے بھی اس کا ذکر

تک نہ کیا! قناعت استغنا ایثار یہ الفاظ سننے میں بار بار آتے ہیں۔ دیکھنے میں ان کا پورا نمونہ صرف عبدالرحمٰن کی ذات میں آیا تھا۔

وہ صحیح معنی میں متقی تھے۔ زبان، آنکھ، کان اور دل سب کو بدی، بدکاری و بدخیالی سے روکے ہوئے تھے۔ حلم و تحمل خیر میں داخل تھا۔ سخت سے اشتعال کے موقع پر بھی برہم نہیں ہوتے تھے۔ اپنے طویل سابقہ میں غصہ آئے، میں نے ایک موقع پر بھی نہیں دیکھا یتیموں پر شفقت، محتاجوں کی خبر گیری، بے کسوں کی امداد کے بغیر زندگی محال تھی۔ انکسار اور فروتنی، ہر ادنیٰ و اعلیٰ کے مقابلہ میں برتتے تھے۔ بڑوں کے ادب و لحاظ اور چھوٹوں سے محبت و الفت سے کسی گھڑی خالی نہ تھے۔ نفل نمازیں پڑھتے تھے، مگر چھپ کر روزے بہ کثرت رکھتے تھے۔ مگر راز بنا کر بے لوث اور بے نفسی، انتہا کو پہونچی ہوئی تھی خودداری کے جدید مفہوم (خودی، خود بینی و خود نمائی) سے بالکل ناآشنا تھے۔ ساری زندگی اطاعت و عبادت، تقویٰ و طہارت میں گزاری مگر کبھی اپنی مذہبیت، پاکبازی و تقدس کی تجارت نہ کی، قومی و اجتماعی زندگی میں پوری طرح بڑنے کے باوجود بھی کبھی آگے بڑھنے کی اور ابھرنے کی کوشش نہ کی، یہ آزمائش بھی ہر واقف کار پر روشن ہے کہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔

دل کی ان ساری فضیلتوں کے ساتھ دماغ بھی ممتاز لے کر آئے تھے۔ صحیح معنی میں عالم و طالب علم تھے، علمی مصروفیت سے ایک لمحہ فرصت نہ تھی۔ علوم میں سب سے زیادہ دلی دلچسپی کی چیز کسی انسان کی نہیں، اللہ کی کتاب حکیم تھی۔ خاص شغف و انہماک اسی مطالعہ میں تھا لیکن اس کے علاوہ بھی سارے دینی و مذہبی ذخیرہ ادبیات پر گہری اور وسیع نظر تھی۔ خدمت دین کے غرض سے انگریزی بھی بقدر ضرورت، پڑھ لی تھی حالات حاضرہ سے پوری طرح باخبر رہنے کے لیے بہ کثرت اخبارات و رسائل کا مطالعہ برابر رہتا تھا ذہن میں سلجھاؤ تھا حسن ترتیب حسن بیان سلاست زبان ذوق انشاء کی شہادت

ان کے قلم کی نکلی ہوئی ہر سطر دے رہی ہے۔

الفاظ میں نہیں کہا جا سکتا کہ اس نادر شخصیت اس جامع کمالات، اس حیات انگیز نمونہ عمل کی وفات سے امت اسلامیہ نے کیا کچھ کھو دیا۔ بہرحال تقدیر الٰہی پوری ہو کر رہی اور بجز صبر و شکر کے اب کسی کے پاس کوئی چارہ کار باقی نہیں۔

پچھلے سال اسی مبارک مہینہ کے آغاز میں مجھے مرض قلب کے متعلق ایک بہت سخت دورہ پڑا تھا معلوم ہوتا تھا کہ حرکت قلب فوراً بند ہوا چاہتی ہے اس وقت میں نے ایک مختصر وصیت نامہ تحریر کیا تھا اس کی دفعہ یہ تھی کہ میری تجہیز و تکفین، نماز جنازہ وغیرہ جہاں تک ممکن ہو منجملہ اور دو تین صاحبوں کے مولوی عبدالرحمن کے ہاتھوں انجام پائے۔ رفیق اعلیٰ کی رفاقت اعلا کے اختیار کرنے پر حریص عبدالرحمن! جس شخص کو تمہارے خلوص، تمہاری برگزیدگی، تمہارے ایمان پر اس درجہ اعتماد تھا کیا خبر تھی کہ تم اس قدر جلد اسی کے اعتماد کو شکست کر دو گے اور کون کہہ سکتا تھا کہ اسی بدنصیب کو آہ! تمہاری تعزیت و ماتم میں اشکبار ہونا پڑے گا۔

بیوہ اور مصیبت زدہ ماں کے اکلوتے فرزند عبدالرحمن! جس ماں نے اپنی بیوگی اور پھر کم سنی کی بیوگی تمہیں کو دیکھ دیکھ کر پار کر دی، اور جس نے اپنی ساری خوشیوں اور آرزوؤں، حوصلوں اور ارمانوں کا مرکز تمہارے مکھڑے کو رکھا۔ آج اسی دکھیاری کے کلیجے کے ٹکڑے کس طرح کٹ کٹ کر اس کی آنکھوں سے بہہ رہے ہیں! کیا یہ حسرت وہ اپنے ساتھ قبر ہی میں لیجائے گی کہ ایک بار تم اپنے ہاتھ سے اس کے آنسو آکر پونچھ دو! نوجوانی میں پاک عصمت مآب پردہ نشین کے ہاتھوں کی چوڑیاں ٹھنڈی کر دینے والے عبدالرحمن! جس دلاری کو تم اس کے ماں باپ سے چھڑا کر، وطن سے بے وطن کر کے اس کے بچپن کی سہیلیوں سے جدا کر کے اس کا ڈولا بڑے شوق و ارمان سے اپنے ہاں لا کر اتارا تھا اور جس کا لباس عروس ابھی میلا نہیں ہونے پایا تھا اور جس حسرت نصیب کو آخری وقت

میں تمھاری خدمت کا موقع بھی نہ مل سکا۔ آہ آج اس کے دل پر کیا گزر رہی ہے! کیا اب بجز حشر کے اب تمھارا دیدار اسے نصیب نہ ہوگا۔؟

معصوم بچی کے معصوم والد عبدالرحمٰن تم تو غیروں کے یتیموں کو اپنی اولاد سے بڑھ کر رکھتے تھے آج خود تمھاری ننھی معصوم تمھارے غم میں کیسا بلک رہی ہے کیا اس کے سر پر اب وہی ہاتھ پھیرے گا جو یتیموں اور غم زدوں بے کسوں اور بے وارثوں سب کا حقیقی والی و وارث ہے۔؟

عزیزوں سے بڑھ کر عزیز مخلصوں سے بڑھ کر مخلص عبدالرحمٰن! اپنے ایک گنہگار اور شکستہ بھائی کی جانب سے سلام و رحمت مغفرت و رحمت کی بے گنتی اور دل سے نکلی ہوئی دعاؤں کا ہدیۂ حقیر قبول کرو تمھاری آنکھوں سے آج پردے اٹھ چکے ہیں لفظ عبادت سے گزر کر آج تم معنی و حقیقت کے محرم اسرار ہو چکے ہو جمال سرمدی کے بے حجاب نظارہ سے تم آج شادکام ہوئے ہوئے تمھیں ان خوش نصیبوں کا واسطہ اُس حسن بے نیاز کی حریم ناز میں شرف باریابی حاصل کر چکے ہو اُس کی عظمت و کبریائی کا صدقہ کہ لَہُم مَا یَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِم کے مرتبہ پر فائز ہو کر اور راضیۃً مرضیۃ کے خلعت سے سرفراز ہو کر اور لہم ما یشاؤن فیہا ولدینا مزید کے انعامات سے مالامال ہو کر اپنے گنہگار اور بدنصیب بھائیوں کو بھول نہ جانا اور اللہ کی یکتائی نے زبانی اقرار کرنے والوں کے حقوق کو فراموش نہ کر جانا۔ دنیا نے تمھیں اگر نہیں پہچانا تو معذور رکھی اہل دنیا اگر تمھاری قدر و قیمت کا اندازہ نہیں کر سکی تو کچھ ہرج نہیں جس سے تم کو اور ہر نیک و بد کو آخری اور دائمی سابقہ پڑنے والا ہے وہ تو بہرحال بے خبر نہیں۔ کل من علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

تو نظیری ز فلک آمدہ بودی چو مسیح
باز پس رفتی و کس قدر تو نشناخت دریغ